تفسیر ماتریدی
یا
تاویلات اهل السنه

(۱۰)

محمد صغیر حسن معصومی

چونکه سجدہ' عبادت ''مسجود لہ،، (جس کو سجدہ کیا جاتا ہے) کی عبادت قرار دیا گیا ہے، اور بڑے لوگوں کے عرف میں یہ سجدہ ان کی عظیم ہستیوں کی نیز اللہ کے ما سوا دوسرے معبودوں کی عبادت سمجھا جاتا ہے، اس لئے یہی مفہوم دلوں میں متبادل ہوتا ہے، اور چونکہ اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ جائز نہیں ہو سکتا اس لئے اللہ کے ما سوا کے لئے سجدہ ممنوع قرار پایا ۔ در حقیقت خود سجدہ کسی مسجود کے لئے عبادت نہیں ہوسکتا، جیسا کہ بعض ایسی اشیاء سے ممانعت کی جاتی ہے جن میں کہا جاتا ہے کہ وحشت و بربریت ہے حالانکہ کوئی چیز حقیقت میں وحشت کی حامل نہیں ہوتی ۔ امر اول یعنی سجدے کو بھی اسی طرح سمجھنا چاھئے ۔ اسی طرح اللہ تعالی کے سوا معبودوں کو سب و شتم کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں لوگ اللہ تعالی کو، نعوذ باللہ سب و شتم نہ کرنے لگیں، اسی طرح بعض ایسے امور کا حکم دیا جاتا ہے جو خود بنفس نفیس عبادت و قربت نہیں، مگر ان کے ذریعہ قربت و عبادت کا اظہار کیا جاتا ہے، مثلاً حج و جمعہ کے لئے سعی کرنا اور دوسری تیاریاں وغیرہ ۔

مسئلہ زیر بحث سے یہ ظاہر ہے کہ سنت (فعل و عمل رسول) کتاب کو

منسوخ کرتی ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم قرآن پاک میں مذکور ہے، اسی طرح یوسف علیہ السلام کے لئے سجدہ کا ذکر قرآن میں ہے بعد میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سجدہ سے منع فرمایا، اور غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام قرار پایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سنت کتاب کو منسوخ کرتی ہے۔

و قول الملائکۃ : ''سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم ،،، پاک و مقدس ہے تیری ذات : اے اللہ ! ہمیں تو صرف انہی باتوں کا علم ہے جن کو تو نے ہمیں سکھایا ہے ، بے شک تو ہی علم والا ہے حکمت والا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں کچھ ایسی آرزوئیں پیدا ہوئیں، یا ایسے فعل کا خیال آیا جن کا تعلق اللہ سے ہے، جن کے متعلق اللہ تعالی کے حکم کی حکمت ان کی سمجھ سے باہر تھی، یا تو اس لئے کہ ان کا علم ان فرشتوں کو نہ پہنچاتھا، یا ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ تعالی انہیں کیسے حکم دے سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ان اشیاء کو نہیں جانتے، یا ان کے دل میں یہ خیال بے غیر تحقیق و تثبیت کے بطور ابتلا و آزمائش کے آیا . اور نیکوکار بندے ایسی آزمائش میں مبتلا کئے جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے: '' وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی ۔،، ''آپ سے پہلے کسی رسول اور کسی نبی کو (لوگوں کی طرف) نہیں بھیجا مگر جب انھوں نے خود آرزو کی۔ (سورۃ الحج : ٥٢)

یا ان کے دل میں یہ بات اس طرح گذری جیسا کہ آزمائش میں مبتلا بندے ایسے افکار سے خالی نہیں ہوتے جن کے (اثر سے) محنت و برداشت کرنے کی (ان میں قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ بندے) ایسے مجاھدے کرنے لگتے ہیں جن سے ان آزمائشوں کا دفع ممکن ہوتا ہے، حالانکہ دل میں ان باتوں کا

خیال آنے پر ان کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

چنانچہ ان فرشتوں نے کہا : سبحانك ، یعنی انھوں نے اللہ تعالی کو اپنے دل کے وسوسوں اور اپنے اوہام سے بالکل منزہ گردانا۔

انہوں نے یہ وصف بھی بیان کیا کہ اللہ تعالی صاحب علم ہے اور اس سے کوئی چیز مستور و مخفی نہیں۔

''حکیم،، یعنی حکمت والا ہے، کسی شے میں کوئی غلطی نہیں کرتا۔ اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اللہ کی توفیق سے برائی سے بچنا اور عصمت برقرار رکھنا ممکن ہے۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے، کہ علم کے بغیر کسی شے کے بارے میں بولنا ممنوع ہے، اور اللہ تعالی سے ایسی بات کہنے سے جزع و فزع کرے جس کا علم نہ ہو، یہ ہر اس شخص کا لازمی حق ہے جو اللہ کی معرفت رکھتا ہے۔

اسی بات کا حکم اللہ تعالی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے: ''ولا تقف ما لیس لك به علم،، اور جس بات کا علم نہ ہو آپ اس کی خبر نہ دیجئے۔ (سورۃ الاسراء : ٣٦)۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ(١) سے سوال کیا گیا کہ ارجاء کی ابتداء

---

(١) فقیہ اهل عراق، ابو حنیفہ النعمان بن ثابت، بڑے عابد، ورع و سخاوت میں ممتاز اور ذکاء میں فائق تھے، سنہ ٨٠ ہجری میں پیدا ہوئے۔ عطاء بن ابی رباح اور ان کے طبقے سے روایت کی ہے، حماد بن ابی سلیمان سے فقہ سیکھی، ریاست کے تحفے اور عطیے قبول نہیں کرتے تھے، اور ایسی روزی کمانے والوں کی غمخواری کرتے تھے، وہ خود خرچ کرتے تھے، انھوں نے ایک بڑا گھر بنا لیا تھا، جس میں ریشمی کپڑے تیار کرواتے اور بہت سے کاریگر اجرت پر رکھتے تھے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کی اولاد ہیں،،۔ یزید بن ہارون فرماتے تھے : ''میں نے کسی کو امام ابو حنیفہ سے ورع والا نہ عقل والا دیکھا،،۔ آپ کی وفات رجب سنہ ١٥٠ میں ہوئی۔ (دیکھئے العبر ٢١٤/١ - وفیات الاعیان - تاریخ بغداد (جلد ١٣/ ٣٢٣)۔

کیا ہے ؟ آپ نے جواب دیا : ملائکہ کا فعل کہ جب کسی ایسی بات کے متعلق ان سے پوچھا جاتا جس کا علم انہیں نہ تھا تو اللہ تعالی کے سپرد کر دیا کرتے ۔

ارجاء کے دو معنی ہیں :

ایک مفہوم قابل ستائش ہے یعنی کبیرہ گناہ کے مرتکب کا یہ امید رکھنا کہ اللہ تعالی ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے، انہیں نہ دوزخ میں ڈالے گا نہ جنت میں ، (ممکن ہے کہ کوئی نیک فیصلہ ان کے حق میں کرے) یہ عقیدہ اللہ تعالی کے قول ”ان اللہ لا یغفر ان یشرك به و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء،، (النساء : ۴۸) بے شک اللہ تعالی اس امر کو معاف نہیں کرے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے ، اور اس سے کم گناہ کو بخش دے گا جسے چاہے گا) پر مبنی ہے ۔

دوسرا مفہوم جبر ہے جو قابل مذمت ہے، یعنی یہ عقیدہ کہ سارے افعال اللہ تعالی کی طرف سے ہیں اور بندے کا اس کے اپنے افعال میں کوئی اختیار نہیں اور نہ اس کی کسی تدبیر کو دخل ہے ۔

اس مفہوم کے پیش نظر روایت آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”صنفان من امتی لا ینالهم شفاعتی، القدریة والمرجئة ،، میری امت میں دو قسم کے لوگ ہیں جن کو میری شفاعت نہ پہنچے گی ، قدریہ اور مرجئہ(۱) ۔

قدریہ(۲) وہ لوگ ہیں جو مخلوق کے فعل میں اللہ تعالی کو صاحب

---

(۱) اس حدیث کو جسے زرقانی نے حضرت انس رض سے مرفوعاً روایت کیا ہے، شوکانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے ۔ اس کے راویوں میں مامون بن احمد سلمی اور اس کا شیخ عبداللہ مالک سعدی ہیں جو آفت ہیں ۔ دیکھئے شوکانی : الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة ص ۵۰۲ طبع السنیة المحمدیة سنہ ۱۹۶۰ (ع) ۔

(۲) صحابہ کرام کے آخری دور میں قدر و استطاعت کے بارے میں بحثیں شروع ہوئیں ۔ سب سے پہلے جس شخص نے قدر کے متعلق گفتگو کی وہ بصرہ کا معبد بن خالد الجہنی تھا ۔ ابو حاتم اس کے بارے میں فرماتے ہیں : ”ابتدہ آیا اور وہاں کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا (افسد فیہاناسا)

(باقی دوسرے صفحے پر)

تدبیر نہیں سمجھتے، اور نہ کسی بندے کے فعل ہی، ان کے نزدیک اللہ تعالی کو مقدور کرنے کی قدرت ہے۔

مرجئۃ (۱) وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی فرمانبرداری یا نافرمانی جو کچھ اس کی طرف منسوب ہے اس میں یقیناً اس کا کوئی فعل نہیں۔

غرض قدریہ اور معتزلہ دونوں کے لیے شفاعت (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش) باطل ہے، اور ان دونوں گروہوں کے درمیانی عقیدہ کو صحیح مذہب سمجھا جاتا ہے، جس کے رو سے یہ ثابت ہے کہ بندہ کا کام عمل (یعنی کرنا) ہے اور اللہ تعالی کا کام مقدر کرنا، بندہ خیر یا شر کی طرف حرکت کرتا ہے اور اللہ تعالی حرکت کے مطابق فعل پیدا کرتا ہے۔

محمد بن شعیب امام اوزاعی کے حوالے سے کہتے ہیں: ''قدر کے متعلق گفتگو کرنے والا پہلا شخص ، عراق کا ایک آدمی سوسن نامی تھا جو نصرانی تھا مسلمان ہوا اور پھر نصرانی بن گیا اس سے معبد جہنی نے اور معبد سے غیلان نے اور ان دونوں سے جعد بن درہم نے یہ فاسد خیال اپنا یا۔

کہا جاتا ہے سب سے پہلے اسی معبد نے ''خلق قرآن،، کے متعلق گفتگو کی۔ متاخرین صحابہ مثلا عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، ابن عباس، انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفی اور عقبہ بن عامر جہنی اور ان کے معاصرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان لوگوں سے براءت کا اظہار کیا۔

معتزلہ کو ''قدریہ معتزلہ،، کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح سے مرجئہ کے ایک گروہ کو مرجئہ قدریہ،، کہتے ہیں۔ دیکھئے العبر ۹۲/۱ تہذیب التہذیب ۲۲۵/۱۰ الملل والنحل ۴۰/۱، لسان المیزان ۴۴/۴ اور الفرق بین الفرق ص ۱۹)۔

(۱) مرجئہ تین طرح کے لوگ ہیں:

ایک گروہ وہ ہے جو ایمان میں امید کا قائل ہے، اور قدریہ معتزلہ کے مذاہب کے مطابق قدر یعنی اللہ تعالی کے حکم کا قائل ہے، غیلان دمشقی، ابو شمر اور محمد بن شبیب البصری اسی گروہ سے تھے۔

دوسرا گروہ ایمان میں امید کا قائل ہے اور اعمال میں جبر کا، جیسا کہ جہم بن صفوان کا مذہب ہے تو یہ جہمیہ میں سے ہے۔

تیسرا گروہ جبریہ اور قدریہ دونوں سے خارج ہے: اس گروہ کے پانچ فرقے ہیں: یونسیہ، غسانیہ، ثوبانیہ، تومنیہ اور مریسیہ، یہ سب مرجئہ اس لئے کہلاتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان کے بعد عمل کے قائل ہیں، ارجاء بمعنی تاخیر کے ہے، عرب جب کسی کام میں تاخیر کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ارجیۃ یا ارجاتہ دیکھئے التبصیر ص ۵۹، الملل والنحل ۱۳۹/۱، مقالات الاسلامیین ۱۹۷/۱، اور الفرق بین الفرق، ص ۲۰۲۔

عملی طور پر یہ مذہب طریقۂ عدل و حق ہے اور زیادتی و کمی کے مابین ہے، اسی طرح کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے: خیر الامور اوساطها (۱) یعنی بہترین امر درمیانی امر ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے: «و كذلك جعلناكم امة وسطاً» (البقرہ : ۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تم سبھوں کو درمیانی امت بنایا، اور ہم بندوں کو جو کچھ قوت حاصل ہے اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔

ابن جریج (۲) سے روایت ہے، فرمایا: ملائکہ کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا صرف اشارہ کرنا تھا، کسی کے لئے زمین پر چہرہ رکھنا حلال نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، فرشتوں کا سجدہ کرنا سجدۂ تحیہ تھا، سجدۂ عبادت نہیں، قتادہ (۳) سے روایت ہے، کہا: اللہ کے حکم کی فرمانبرداری اور آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ ان کے اکرام و تعظیم کے لئے تھا، واللہ اعلم۔

ابلیس کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

---

(۱) اس حدیث کو شوکانی نے احادیث موضوعہ میں بیان کیا ہے، بیہقی نے بطور معضل روایت کیا ہے، معضل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے اسناد سے دو یا زیادہ راوی ساقط ہوں، (دیکھئے الفوائد المجموعة ص ۲۵۱، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی للسیوطی ۲۱۱/۱)۔

(۲) ابن جریج جیم کے پیش رے کے زبر اور یے کے سکون اور پھر دوسری جیم کے ساتھ، ان کی کنیت ابو خالد اور ابو الولید ہے، نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج، بواسطہ ولاء قریشی تھے، امیہ بن خالد بن اسید کے آزاد کردہ (مولی) تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جریج ام حبیب بنت جبیر زوجہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد کے غلام تھے۔ بڑے مشہور علماء میں سے تھے، اور کہا جاتا ہے کہ اسلام میں کتاب تصنیف کرنے والوں کے پیشرو تھے۔ ان کی ولادت سنہ اسی ہجری میں ہوئی، بغداد آئے ابو جعفر المنصور کے عہد میں، ایک سو انچاس ہجری میں وفات پائی۔ بعضوں نے پچاس لکھا ہے، اور بعضوں نے ۱۵۱ لکھا ہے، (دیکھئے وفیات الاعیان ۳۳۸/۲)۔

(۳) قتادة بن دعامة بن قتادة بن عزیز ابو الخطاب السدوسی البصری، مفسر، حافظ، بینائی سے محروم اور بڑے صالح تھے۔ امام احمد بن حنبل ان کے بارے میں فرماتے ہیں: اہل بصرہ میں سب سے بڑھ کر حفظ والے قتادہ تھے، حدیث کے علم کے ساتھ زبان عربی اور مفردات لغت کے بڑے ماہر، ایام العرب اور علم الانساب کے اساطین میں سے تھے، مرض طاعون میں واسط میں سنہ ۱۱۸ ہجری میں انتقال ہوا، (دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۱۱۵/۱، وفیات الاعیان ۴۲۷/۱ اور ارشاد الاریب ۲۰۲/۶)۔

بعض کا قول ھے(۱) ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔

دوسرے لوگ کہتے ھیں: ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ یہ قول حسن(۲) اور اصم(۳) کا ھے، انہوں نے چند وجوہ بیان کئے ھیں:

پہلی وجہ یہ ھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر قرآن پاک میں کیا ھے: ''لا یعصون اللہ ما امرھم'' (التحریم: ٦) یہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ھے (وہ بجا لاتے ھیں) ''لا یسبقونہ بالقول'' (الانبیاء: ۲۷) فرشتے اللہ سے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے۔ نیز ''لا یستکبرون عن عبادتہ و لا یستحسرون'' (الانبیاء: ۱۹) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ بڑائی کرتے ھیں اور نہ عاجز آتے ھیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے صفات بیان کئے ھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ھیں، اور اللہ کے حکم کو بجا لاتے ھیں۔ اگر ابلیس لعین و مردود فرشتوں میں سے ھوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا جیسا کہ فرشتے اطاعت کرتے ھیں۔

دوسری وجہ یہ ھے کہ ابلیس کا قول ھے: ''خلقتنی من نار و خلقتہ من طین'' (الاعراف: ۱۲) اے اللہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے، اور فرشتے، ظاھر ھے، کہ نور سے پیدا کئے گئے ھیں۔

تیسری وجہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ھے: ''کان من الجن'' (الکہف: ۵۰)

---

(۱) ابن کثیر محمد بن اسحاق کے طریق سے حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ھیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: ابلیس معصیت کے ارتکاب سے پہلے ملائکہ میں سے تھا اس کا نام عزازیل تھا اور زمین کے باشندوں میں سے تھا۔ ملائکہ میں سب سے زیادہ علم والا اور اجتہاد کرنے والا تھا اسی وجہ سے غرور و کبر کی طرف مائل ھوا، یہ ایک ایسے قبیلہ سے تھا جس کو جن کہتے ھیں، دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۷۱۔

(۲) پورا نام حسن بصری ھے، ان کا حال گذر چکا ھے دیکھئے ''ختم اللہ ... عذاب عظیم'' کی تفسیر کے تحت۔

(۳) الاصم ابو بکر عبدالرحمن بن کیسان ھیں دیکھئے برق کی تفسیر کے تحت۔

وہ جن میں سے تھا، اللہ تعالی نے "من الملائکۃ" (فرشتوں میں سے) نہیں کہا، تو ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا۔

پھر (امام ماتریدی) اللہ تعالی کے قول "فسجدوا الا ابلیس" (تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کبھی مستثنی منہ کے سوا کا استثناء جائز ہوتا ہے، (غرض استثناء اس بات کی دلیل نہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا، کیونکہ غیر کو مستثنی کر سکتے ہیں) جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اس گھر میں اہل کوفہ داخل ہوئے مگر ایک مرد اہل مدینہ میں سے (داخل نہیں ہوا) یہ ایسا جملہ لغت عرب میں جائز ہے

استثناء (یعنی حرف الا کا استعمال) اس بات کی دلیل ہے کہ حکم در اصل سب کے لئے تھا، اور سجدہ کا حکم اللہ تعالی نے ابلیس اور سارے فرشتوں کو دیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے جو "ثم افیضوا من حیث افاض الناس" (البقرۃ نمبر ۱۹۹) یعنی پھر تم لوگ جلد لوٹ جاؤ جہاں سے لوگ عجلت لوٹ گئے، یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لوگوں کے لئے "افاضہ" کا حکم تھا، اسی طرح اول (میں حکم سمجھنا چاہئے) واللہ اعلم۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی قصے میں — حالانکہ ابلیس اور فرشتوں کا قصہ قرآن پاک میں نیز سابقہ کتابوں میں بار بار بیان کیا گیا ہے — یہ نہیں بیان کیا گیا کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا، اور نہ ان آیات سے جن کا ذکر کیا گیا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا، کیونکہ مثلاً اللہ تعالی کا قول ہے "لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون" (التحریم ۶) یہ فرشتے اللہ تعالی کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ بجالاتے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کے حکم سے رو گردانی کا وہم بھی پیدا ہو تو ان کی اطاعت و فرمانبرداری نیز خشوع

و خضوع کی تعریف بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے مدح و ستائش کے ساتھ ان کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے: ''و من یقل منهم انی الٰه من دونه فذلك نجزيه جهنم،، (الانبیاء: ۲۹) یعنی ان فرشتوں میں سے اگر کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم پہنچا کر بدلہ دیں گے۔ غرض فرشتے بھی طرح طرح کی تکلیفوں سے آزمائے جاتے ہیں، اور جس کو آزمایا جاتا ہے اس سے معصیت اور اس کے اپنے اوصاف کے خلاف دوسرے اوصاف سرزد ہو سکتے ہیں۔

البتہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمانا کہ ''کان من الجن،، (الکہف: ۵۰) اس کا مفہوم ''صار من الجن،، یعنی ابلیس کا جن میں سے ہونا ظاہر ہو گیا، تو اس سلسلے میں حسب ذیل قول بیان کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں، جن سے مراد ملائکہ ہیں، ان کا جن اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں، ''جن،، کا لغوی مفہوم چھپنا ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ''و اذ انتم اجنة فی بطون امهاتكم،، (النجم: ۳۲) اور جب کہ تم سب اپنی ماؤں کے پیٹوں میں چھپے ہوئے تھے۔

اب رہا یہ(۱) قول کہ ملائکہ کو اللہ تعالٰی نے نور سے اور ابلیس کو نار (آگ) سے پیدا کیا، تو دونوں کا مآل ایک ہی ہے کیونکہ اللہ بزرگ و

---

(۱) طبری نے اس قول کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: ''ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے میں سے تھا جس کو الجن کہتے ہیں، یہ فرشتوں کے درمیان نار سموم سے پیدا کئے گئے تھے۔

یہ بھی کہا: کہ اس (ابلیس) کا نام الحارث تھا اور جنت کے خازنوں میں سے ایک خازن تھا، یہ بھی فرمایا: سارے فرشتے اس قبیلہ کے سوا نور سے پیدا کئے گئے نیز کہا: اور جنوں کو جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔

قرطبی نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف کی ہے، اور سعید بن جبیر کی طرف بھی، چنانچہ کہا کہ فرشتوں کا ایک گروہ جن ہے جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور ابلیس انہی میں سے ہے اور بقیہ سارے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا (دیکھئے تفسیر طبری ۱/۵۰۵ تحقیق شاکر نیز تفسیر قرطبی ۳/۳۰۱ طبع الشعب)۔

برتر نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ "مارج" آگ کا شعلہ ہے، ساتھ ہی قرآن میں اور حدیث میں یہ کہیں آیا ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور کسی دوسری چیز سے نہیں پیدا کیے گئے۔

اب رہا اس بارے میں اختلاف کہ ابلیس نے کیوں اللہ کی نافرمانی کی؟ بعض کہتے کہ ابلیس نے اس وجہ سے انکار کیا کہ اللہ کے حکم کی حکمت کو نہیں سمجھ سکا کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں ایک اعلیٰ ذات کو حکم دیا کہ ایک ادنیٰ ذات کو سجدہ کرے۔

بعض دوسرے یہ کہتے ہیں ابلیس نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امر کو اس کی اپنی جگہ میں نہیں رکھا تو اس کو جور و ظلم سمجھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ سجدہ بجالانے سے انکار کیا، بڑائی چاہی تو کافر قرار پایا، بعض یہ کہتے ہیں کہ نافرمانی کی اس لئے کہ اس نے مخلوق کو گمراہ کرنے کا خیال دل میں چھپایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کا انکار کیا، آدم علیہ السلام سے اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم علیہ السلام پر فضیلت رکھنے کا دعویٰ کیا، چنانچہ یہ کہا: "خلقتنی من نار و خلقتہ من طین" (الاعراف: ۱۲) یعنی اے اللہ تو نے مجھ کو آگ سے اور اس آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔